تفسیر نورالعرفان (قسط ۲۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

① مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب (۱۹۷۱ء) لکھتے ہیں:

''حضور نے فرمایا: أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ۔''

(تفسیر نور العرفان، ص856)

اس روایت کی ساری کی ساری سندیں ضعیف ہیں۔

❁ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ هٰذَا الْحَدِيثُ .

''یہ حدیث ثابت نہیں۔''

(المُنتخَب من العِلَل للخَلّال : 69)

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَتْنُهٗ مَشْهُورٌ وَأَسَانِيدُهٗ ضَعِيفَةٌ، لَمْ يَثْبُتْ فِي هٰذَا إِسْنَادٌ .

''اس حدیث کا متن مشہور ہے، سندیں ضعیف ہیں، اس کی کوئی سند ثابت نہیں۔''

(المَدخل إلى السّنن الكبرىٰ : 154)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ غَرِيبٌ لَمْ يَرْوِهٖ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ الْكُتُبِ الْمُعْتَمَدَةِ .

''یہ حدیث منکر ہے، اسے کسی معتمد کتاب کے مصنف نے روایت نہیں کیا۔''

(البدر المنير : 584/9)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ شَيْءٌ مِنْهَا . ''اس کی کوئی سند ثابت نہیں۔''

(تحفة الطّالب، ص 141)

❁ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ، قَالَ الْبَزَّارُ : هٰذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَيْسَ هُوَ فِي كُتُبِ الْحَدِيثِ الْمُعْتَمَدَةِ .

''یہ حدیث ضعیف ہے، امام بزار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور نہ ہی یہ حدیث کی معتمد کتب میں مندرج ہے۔''

(شرح العقيدة الطّحاوية، ص 469)

② مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''دنیا میں ہی دیکھ لو کہ محبوبوں کے مزارات پر سلام کرنے والوں کا میلہ لگا رہتا ہے، تمام قبرستان میں لوگ عموما فاتحہ پڑھتے رہتے ہیں، مردودوں کی قبروں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص857)

یہ سب اہل شرک وبدعت کے مشاغل ہیں۔ دراصل قبر پرستی شکم پروری کا ذریعہ ہے۔ ان قبروں میں مدفون کو محبوب خود ہی قرار دیتے ہیں، پھر ان کے استدراجات عام کرتے ہیں، ان کی قبروں پر قبے بناتے ہیں، میلے لگاتے ہیں۔ یہ سب کچھ شرعا حرام اور ممنوع ہے۔ قبروں کو پختہ کرنا جائز نہیں، میلہ لگانا بھی جائز نہیں۔ قبروں پر میلے لگانا کفار کی

عادت ہے۔اسلام میں میلے کا کوئی تصور نہیں۔

قبرستان میں سورت فاتحہ پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں، کیونکہ اس میں فوت شدگان کے لیے کچھ نہیں۔

③ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضور کے فیض سے ابوجہل نے بھی مٹھی کی کنکریوں کی تسبیح سن لی۔''

(تفسیر نور العرفان، ص857)

کتب احادیث میں یہ روایت نہیں ملی۔

④ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''خیال رہے کہ جنت میں رب کا دیدار ہوگا، مگر ادراک نہ ہوگا، کیونکہ وہ باطن ہے۔غرضیکہ اس کا جلوہ ظاہر ہے، ذات باطن ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص858)

روز قیامت مومنوں کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا کہ وہ اپنی آنکھوں سے رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے، مگر اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک و احاطہ نہیں کر پائیں گے۔ باقی یہ کہنا کہ اس لیے ادراک نہیں کر پائیں گے کہ وہ باطن ہے، یہ باطل بات ہے۔ائمہ اہل سنت والجماعت اس تکلف سے کوسوں دور تھے۔

⑤ مفتی صاحب سورت حدید (۳) کے تحت لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالحق (دہلوی) رحمہ اللہ نے مدارج کے خطبے میں فرمایا کہ یہ پانچوں صفات حضور کے بھی ہیں، کہ حضور اول مخلوق ہیں اور آخر میں ظاہر ہوئے، نور محمدی سب پر ظاہر، حقیقت محمدیہ تک کسی عقل کی رسائی نہیں، حضور ہر مومن

وکافر کو جانتے پہچانتے ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص858)

یہ کفر والحاد کا ملغوبہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اول مخلوق قرار دینا بے ثبوت و بے حقیقت ہے۔ کوئی بھی مسلمان یہ نہیں کہتا کہ نبی کریم ﷺ اول مخلوق ہیں، البتہ گمراہ صوفیوں سے بعید نہیں، جو اہل سنت کے عقیدہ سے منحرف ہیں۔

آخر میں ظاہر ہونے والی بات بھی باطل ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت بعثت سے تقریبا چالیس برس پہلے ہوئی، اس سے پہلے آپ کا دنیا میں وجود نہ تھا۔

''نور محمدی سب پر ظاہر ہے، حقیقت محمد یہ تک کسی عقل کی رسائی نہیں'' مبالغہ آمیز بے حقیقت بات ہے۔ اہل سنت والجماعت اس سے ناواقف ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ہستی کے بارے میں یہ گفتگو حزم واحتیاط پر مبنی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی ہستی پاک کے بارے میں اس طرح کی گفتگو کرنا اہل حق کا وطیرہ نہیں۔ العیاذ باللہ!

یہ سب کچھ اہل تصوف کی اختراعات ہیں، جو اہل سنت میں عام کر دی گئیں ہیں۔ نام نہاد سنیوں نے اسے اپنا دین بنا لیا ہے۔ ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ کے متعلق وہی عقیدہ اختیار کیا جائے، جو صحابہ کرام اور ائمہ مسلمین نے اختیار کیا تھا۔

⑥ مفتی صاحب سورت حدیث (۴) کے تحت لکھتے ہیں:

''یعنی عرش عظیم کو اپنا تجلی گاہ بنایا، وہاں سے احکام نافذ فرمائے، خیال رہے کہ عرش اعظم پیدائش میں زمین و آسمان سے پہلے ہے، لیکن اس پر تجلی فرمانا، ان کی پیدائش کے بعد۔ وہ ہی یہاں مذکور ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص858)

آیت کی واضح تحریف اور ائمہ اہل سنت کی مخالفت ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق خبر دی ہے کہ وہ عرش پر ہے، جیسا کہ اس کی شان کو لائق ہے، مخلوق سے جدا ہے، اس کا علم اور قدرت ہر چیز کو محیط ہے، وہ مخلوق کا محتاج نہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ سلف صالحین کی پیروی میں اپنا عقیدہ قرآن وحدیث کے مطابق بنائے۔

یہ کہنا کہ عرش کو تجلی گاہ بنایا گمراہی وضلالت ہے۔ائمہ اہل سنت میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ یہ قرآن کریم کی من چاہی تفسیر ہے۔

⑦ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضور کو پردہ فرمائے ہوئے تقریبا چودہ سو برس گزر گئے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص861)

''پردہ فرما گئے'' وغیرہ جیسے الفاظ کے پیچھے اگر یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کی نظروں سے اُوجھل ہیں اور خود سب کو ملاحظہ فرما رہے ہیں اور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، تو یہ باطل نظریہ ہے اور ان الفاظ کا استعمال کرنا قطعا درست نہیں۔

اور اگر یہ الفاظ اس نظریہ کے پیش نظر استعمال کیے گئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے لیے موت یا میت کے الفاظ کا استعمال بے ادبی ہے، تو یہ محض تکلف ہے۔قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں موت اور میت کا لفظ استعمال کیا ہے اور صحابہ کرام بھی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اگر ان الفاظ میں بے ادبی کا ادنیٰ کا پہلو بھی ہوتا، تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے لیے کبھی یہ الفاظ استعمال نہ کرتا، اسی طرح صحابہ کرام، جو سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کا ادب اور حقیقی محبت کرنے والے تھے، یہ الفاظ استعمال نہ کرتے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾(الزمر : ٣٠)

''(اے نبی!) بلاشبہ آپ کو موت آنے والے ہے اور ان لوگوں کو بھی موت آئے گی۔''

❁ نبی کریم ﷺ نے خود اپنے لیے موت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

(صحيح البخاري : 3176)

❁ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات النبی ﷺ کے دن خطبہ دیا اور فرمایا:

إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ .

''بلاشبہ محمد کریم ﷺ وفات پا چکے ہیں۔''

(صحيح البخاري : 3668)

موت حق ہے، ہر ایک کو آنی ہے، موت کی نسبت میں کوئی عار نہیں۔

⑧ مفتی صاحب سورت زمر (٣٠) کے تحت لکھتے ہیں:

''حقیقتاً ایک آن کے لیے (نبی کریم ﷺ کو موت آئی)، نہ کہ ہمیشہ کے لیے۔ ورنہ قرآن کریم شہدا کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ﴾۔''

(تفسیر نور العرفان، ص736)

نبی کریم ﷺ کے لیے صرف ایک آن اور لمحہ بھر کی موت ثابت کرنا درست نہیں۔ موت کی حقیقت میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام سب برابر ہیں۔ موت کیا ہے؟ موت درحقیقت ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقلی کا نام ہے۔ دنیا سے جانا موت ہے۔ نبی کریم ﷺ کے حق میں اسے آنی موت قرار دینا بے دلیل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین،

تبع تابعین، ائمہ اسلام اپنے اپنے دور میں نبی کریم ﷺ کو فوت شدہ ہی سمجھتے تھے۔کوئی یہ نہیں کہتا تھا کہ اب نبی پاک زندہ ہیں۔

یاد رہے کہ مرنے کے بعد انسان کو زندگی ملتی ہے، جسے برزخی یا اُخروی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا دنیاوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔اس کی اپنی کیفیت ہے، جو دنیا کی زندگی سے یکسر جدا ہے، یہی زندگی نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے، جس طرح دیگر لوگوں کو حاصل ہے۔نبی کریم ﷺ کی روح مبارک اللہ کی جنت میں ہے اور وجود مبارک مدینہ کی قبر میں۔انبیائے کرام علیہم السلام کا خاصہ یہ ہے کہ ان کے اجسام کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے، ان کا کفن بھی میلا نہیں ہوا۔ان کے وجود اسی طرح تر و تازہ ہیں، جس طرح دفن کیے گئے تھے۔اس سارے کے باوجود ان پر میت کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

شہدائے کرام کی زندگی بھی اُخروی و برزخی ہے، جو کہ عالی شان ہے۔شہدا کو حسی ومعنوی کئی ایک اعزازات سے نوازا جاتا ہے۔ایک یہ کہ انہیں مردہ نہیں کہا جا سکتا۔وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں، انہیں رزق ملتا ہے، لیکن یہ سب ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔یاد رہے کہ شہدا کی زندگی بھی اُخروی ہے، اس کا دنیا سے کوئی واسطہ نہیں۔

⑨ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''نبی ایک لاکھ بیس ہزار میں......۔''

(تفسیر نور العرفان، ص862)

انبیائے کرام کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار پر کوئی دلیل نہیں۔

۞ مفتی صاحب خود لکھتے ہیں:

''انبیا کرام کی تعداد کسی قطعی دلیل سے ثابت نہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص31)

⑩ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''میلاد شریف کی مجلس ایمانی مجلس ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص868)

✿ نیز سورت حدید (۲۷) کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ دین میں اچھے طریقے ایجاد کرنا، جسے بدعت حسنہ کہتے ہیں، بہت باعث ثواب ہے، جیسے قرآن کریم کے تیس پارے، علم حدیث وفقہ مرتب کرنا، محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان وغیرہ۔ ہاں بدعت حسنہ ایجاد کر کے اسے نہ نبھانا برا ہے، کہ اس پر عتاب فرمایا گیا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص864)

بدعت حسنہ کی کوئی حقیقت نہیں، تو اس پر ثواب کیسے؟ ہر بدعت حقیقت میں گمراہی اور ضلالت ہے، تو گمراہی وضلالت کو دو حصوں میں تقسیم کرنا کہ یہ بدعت سیئہ ہے اور یہ بدعت حسنہ ہے، کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ بدعت کی مذمت آئی ہے، یہ عام ہے۔

عید میلاد کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ خیر القرون کے مسلمان اس سے ناواقف تھے، چوتھی صدی کے آخر میں روافض نے اسے ایجاد کیا۔ دراصل یہ عیسائیوں سے مستعار ہے، ہر دور کے علمائے حق اسے بدعت کہتے چلے آئے ہیں۔ اسی طرح بزرگان دین کی فاتحہ کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ محض شکم پروری کے ذرائع ہیں، جو دین کے نام پر جاری کیے گئے ہیں اور انہیں بدعت حسنہ کا نام دیا گیا ہے۔ اگر یہ دین ہے، تو ائمہ مسلمین نے اسے اختیار کیوں نہیں کیا؟ وہ زیادہ حق دار تھے، کیونکہ وہ قرآن وسنت پر کماحقہ عمل کرتے تھے۔

قرآن کریم کے تیس پارے، رکوع، علم حدیث وفقہ ضرورت کے تحت مرتب کیے گئے

ہیں، یہ مصالح مرسلہ میں سے ہیں۔ایک ایسا کام، جو دین کے فائدہ کے لیے ہو اور قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت نہ آئی ہو، اسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یہ اجماعی واتفاقی اُمور ہیں، نیز یہ اُمور فی نفسہ عبادت بھی شمار نہیں ہوتے۔عید میلاد اور فاتحہ بزرگان کو دین سمجھا جاتا ہے۔قرآن وحدیث کے دلائل کو اپنا معنی پہنا کر یہ ثابت کیے جاتے ہیں۔

آیت کا منشا یہ ہے کہ عیسائیوں نے اپنے دین میں فقیری کی بدعت نکالی اور خود ہی اپنی جان پر سختی لاگو کر دی، پھر خود ہی اسے پامال کیا، اس پر قائم نہ رہے۔ان کے مدنظر اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی تھی۔اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے اس فعل قبیح پر مذمت فرمائی ہے، کیونکہ دین میں اپنی طرف سے اضافہ بدعت ہے۔

❀ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾(الحدید : ۲۷)

''نصاریٰ نے دین میں رہبانیت کی بدعت نکالی، ہم نے یہ کام ان کے لئے مشروع نہیں کیا تھا، مگر انہوں نے رضائے الٰہی کی چاہت میں ایسا کیا اور اس کی کما حقہ پابندی بھی نہیں کی۔''

❀ امام عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کی موجودگی میں اہل بدعت اور عبادت میں ان کی جہد کا ذکر ہوا، تو فرمایا:

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا مَا كَانَ عَلَى الْأَمْرِ وَالسُّنَّةِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَرَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾(الحدید : ۲۷) فَلَمْ يُقْبَلْ ذٰلِكَ مِنْهُمْ، وَوَبَّخَهُمْ

عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : الْزَمِ الطَّرِيقَ وَالسُّنَّةَ .

''اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول کرے گا، جو توحید وسنت کے مطابق ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی : ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾ (الحدید : ۲۷) ''انہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی، جو ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔'' اللہ نے ان کا یہ عمل قبول نہیں کیا، بلکہ اس پر انہیں جھاڑ پلائی۔ پھر امام صاحب نے فرمایا: توحید وسنت کو لازم پکڑیں۔''

(حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني : 8/9، وسندهٗ حسنٌ)

⑪ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''﴿تَشْتَكِي إِلَى اللّٰهِ﴾ میں حضور کے واسطے سے رب سے دعا کرنا مراد ہے، حضور کا وسیلہ چھوڑ کر جو عرض کی جاوے، وہ قبول نہیں۔ رب فرماتا ہے: ﴿وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾۔

(تفسیر نور العرفان، ص865)

آیت کے معنی میں تحریف کی گئی ہے۔ یہ آیت سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی، وہ اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی تھیں، اس سے نبی کریم ﷺ کے واسطے سے دعا کرنا کیسے ثابت ہو گیا؟

﴿وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾ سے مفتی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کفار اپنے دعاؤں میں نبی کریم ﷺ کا وسیلہ نہیں دیتے، اس لیے ان کی دعائیں بے کار ہیں۔ یہاں بھی آیت سے غلط مفہوم لیا گیا ہے۔ کفار تو نبی کریم ﷺ سے دعائیں کراتے تھے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق ایسا کیوں فرمایا؟

دراصل آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو غیر اللہ کی پکار کرتے ہیں، وہ بے فائدہ ہے، کیونکہ جنہیں یہ پکارتے ہیں، وہ نہ سنتے ہیں، نہ بولتے ہیں، نہ نفع ونقصان کے مالک ہے، اس لیے کافروں کی پکار سراسر گمراہی پر مبنی ہے اور اس سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ یہاں نبی کریم ﷺ کے وسیلے کی کوئی بات نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ سے دعا کراتے تھے، یہ جائز وسیلہ ہے، البتہ آپ ﷺ کی زندگی میں یا وفات کے بعد کسی صحابی، تابعی، تبع تابعی یا امام محدث نے نبی کریم ﷺ کی ذات کو بطور وسیلہ پیش نہیں کیا، نہ ہی وفات کے بعد آپ ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر دعا کے لیے وسیلہ بنایا۔ یہ بعد کی اختراعات ہیں، قرون اولیٰ میں اس کا وجود نہیں۔

⑫ مفتی صاحب سورت مجادلہ (۱۲) کے تحت لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ کی بارگاہ میں اغنیاء اپنی عرض ومعروض کا سلسلہ اتنا دراض کر دیتے تھے کہ فقراء صحابہ کو کچھ عرض کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دینار صدقہ کر کے حضور سے دس سوال کیے، اس آیت پر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمل کیا، کسی اور کو موقع نہ ملا، کہ آیت منسوخ ہوگئی۔''

(تفسیر نور العرفان، ص868)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ واقعہ بسند صحیح ثابت نہیں۔ یہ روایت مختلف طرق کے ساتھ مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ مجاہد کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، لہٰذا روایت مرسل ہے۔

⑬ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''بزرگانِ دین خصوصاً صحابہ کرام، واہل بیت کے عرس، ختم، نیاز، فاتحہ اعلیٰ چیزیں ہیں کہ ان میں ان بزرگوں کے لیے دعا ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص873)

عرس، ختم، نیاز، فاتحہ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ اگر یہ دین ہوتا، تو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مسلمین اسے ضرور اختیار کرتے۔

۞ ہم مفتی صاحب کی زبان میں کہیں گے:

''سچے دین کی پہچان ہے کہ وہ سلف صالحین کا دین ہو، یہ حضرات ہدایت کی دلیل ہیں۔'' (تفسیر نور العرفان، ص30)

⑭ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''تجلی الٰہی کی طور پہاڑ تاب نہ لا سکا، مگر حضور نے عین ذات الٰہی کا نظارا کیا، پلک بھی نہ جھپکا۔ ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی﴾۔''

(تفسیر نور العرفان، ص875)

بے شک تجلی الٰہی کی طور پہاڑ تاب نہ لا سکا، مگر نبی کریم ﷺ نے سفر معراج میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کام پر فوکس کیا، اپنے مقصد سے دائیں بائیں نہیں ہوئے۔ اس سے دیدار الٰہی کا ثبوت فراہم کرنا تحریف قرآن ہے۔

⑮ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''عالم ارواح میں حضور احمد کے نام سے مشہور تھے، عالم اجسام میں محمد کے نام سے معروف ہوئے، حضور احد سے امکان کی میم کی وجہ سے ممتاز ہوئے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص882)

یہ گمراہ صوفیوں کا کفریہ کلام ہے، کہ احد سے احمد بنا۔ ''احد'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، کہ نعوذ باللہ اس میں ''میم'' کی اضافت سے نبی کریم ﷺ کا نام ''احمد'' بن گیا، تا کہ احد اور احمد میں تمیز ہو سکے۔

⑯ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اگر حاملہ مطلقہ کا بچہ ساقط ہو جائے، جبکہ اس کے اعضا نہ بنے ہوں، تو اس کی عدت پوری نہ ہو گی، کیونکہ یہ حمل جننا نہیں، بلکہ گرنا ہے، اس لیے ایسے اسقاط کے بعد جو خون ہے، وہ نفاس نہیں کہلواتا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص892)

بے شک وہ جننا نہیں، اسقاط ہی ہے، مگر ہمارے مطابق اس کی عدت ختم ہو جائے گی اور وہ خون نفاس کا خون سمجھا جائے گا، واللہ اعلم!

⑰ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضور نے فرمایا کہ ہم نے مغافیر تو کھایا نہیں، شہد پیا ہے، اچھا میں شہد کو اپنے پر حرام کرتا ہوں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص894)

نبی کریم ﷺ نے اپنے اوپر شہد کو حرام نہیں کیا، البتہ یہ فرمایا کہ میں اس سے پرہیز کروں گا۔ قرآن میں جو ﴿لِمَ تُحَرِّمُ﴾ ہے، وہ لِمَ تَمْنَعُ کے معنی میں ہے، یعنی اے پیغمبر! آپ خود کو ایسے چیز سے کیوں روکتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہے، قرآن پاک میں یہ معنی مستعمل ہے، مثلاً:

❁ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ﴾(القصص : ۱۲)

''ہم نے موسیٰ پر دائیوں (کے دودھ) کو روک دیا۔''

⑱ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت حفصہ نے پوچھا کہ یا حبیب اللہ! یہ خبر آپ کو کس نے دی، وحی الٰہی سے خبر ہوئی یا حضرت عائشہ نے بتا دیا؟''

(تفسیر نورالعرفان، ص894)

ثابت ہوا کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں سمجھتی تھیں، کیونکہ عالم الغیب سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں خبر آپ کو کس نے دی؟

⑲ مفتی صاحب سورت تحریم (۴) کے تحت لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے بندے مددگار ہیں، کیونکہ اس آیت میں حضرت جبرائیل اور صالح مسلمانوں کو مولیٰ یعنی مددگار فرمایا گیا اور فرشتوں کو ظہیر یعنی معاون قرار دیا گیا، جہاں غیر اللہ کی مدد کی نفی ہے، وہ حقیقی مدد مراد ہے۔''

(تفسیر نورالعرفان، ص894)

اللہ تعالیٰ کی مدد حقیقی ہے۔ مخلوق کی مدد تحت الاسباب ہے۔ بھلا مفتی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ غیر اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہیں۔ اگر کہیں کہ جہاں غیر اللہ کی مدد کی نفی ہے، وہ حقیقی مدد مراد ہے، تو ہر ایک کے لیے ایسا کیوں نہیں؟

⑳ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''بعض روایات میں ہے کہ آپ (آسیہ علیہا السلام) مع جسم آسمان پر اُٹھا لی گئیں۔''

(تفسیر نورالعرفان، ص896)

وہ روایات کہاں ہیں؟

(۲۱) مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت آسیہ جنت میں ہمارے حضور کے نکاح میں ہوں گی۔''

(تفسیر نورالعرفان، ص896)

سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ بنت مزاحم علیہا السلام دونوں کا جنت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہونا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ اس بارے میں جتنی بھی روایات ہیں، ان میں سے کوئی بھی اصولِ محدثین کے مطابق پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ملاحظہ فرمائیں:

❀ سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرماتے ہوئے سنا:

أَشَعَرْتِ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ زَوَّجَنِي فِي الْجَنَّةِ مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ، وَكَلْثَمَ أُخْتَ مُوسٰى، وَامْرَأَةَ فِرْعَوْنَ .

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں مریم بنت عمران، موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثم اور فرعون کی بیوی (آسیہ) سے میرا نکاح کر دیا ہے۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 259/8، ح : 8006، الكامل لابن عدي : 180/7)

جھوٹی روایت ہے۔

۱۔ خالد بن یوسف سمتی جمہور کے نزدیک ''ضعیف و کذاب'' ہے۔

۲۔ عبدالنور بن عبداللہ ''وضاع''، یعنی حدیثیں خود گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے والا ہے۔

۳۔ یونس بن شعیب کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ''منکر الحدیث'' کہا ہے۔

(الضّعفاء الكبير للعُقيلي : 459/4، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ زَوَّجَنِي فِي الْجَنَّةِ مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ، وَامْرَأَةَ فِرْعَوْنَ، وَأُخْتَ مُوسٰى .

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کر دیا ہے۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 52/6، ح : 5485)

سند سخت ''ضعیف'' ہے۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيهِ مَنْ لَّمْ أَعْرِفْهُمْ .

''اس سند میں کئی ایسے راوی ہیں، جنہیں میں نہیں پہچانتا۔''

(مَجمع الزّوائد : 218/9)

۱۔ سعد بن محمد عوفی کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ذَاكَ جَهْمِيٌّ ...... لَوْ لَمْ يَكُنْ هٰذَا أَيْضًا، لَمْ يَكُنْ مِمَّنْ يَسْتَأْهِلُ أَنْ يُّكْتَبَ عَنْهُ .

''یہ جہمی تھا......اگر یہ مسئلہ نہ بھی ہو، تب بھی اس قابل نہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے۔''

(تاریخ بغداد : 126/9، وسندهٗ حسنٌ)

۲۔ حسین بن حسن بن عطیہ عوفی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ اسے امام یحییٰ بن معین، امام ابوحاتم رازی، امام ابن عدی، امام ابن سعد، امام عقیلی اور امام ابن

حبان رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

❁ ابن ابی رواد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خَدِيجَةَ، وَهِيَ فِي مَرَضِهَا الَّذِي تُوُفِّيَتْ فِيهِ، فَقَالَ لَهَا : بِالْكُرْهِ مِنِّي مَا الَّذِي أَرٰى مِنْكِ يَا خَدِيجَةُ وَقَدْ يَجْعَلُ اللّٰهُ فِي الْكُرْهِ خَيْرًا كَثِيرًا، أَمَا عَلِمْتِ أَنَّ اللّٰهَ زَوَّجَنِي مَعَكِ فِي الْجَنَّةِ مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ وَكُلْثَمَ أُخْتَ مُوسٰى وَآسِيَةَ امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ؟، قَالَتْ : وَقَدْ فَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ : نَعَمْ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں ان کے پاس تشریف لائے، فرمایا: مجھے آپ کی یہ حالت دیکھ کر دُکھ ہورہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس دُکھ میں بہت زیادہ بھلائی رکھ دے گا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح آپ کے ساتھ ساتھ مریم بنت عمران، کلثم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجہ فرعون کے ساتھ کر دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 451/22، ح : 1100)

سند سخت ''ضعیف'' ہے۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُنْقَطِعُ الْإِسْنَادِ، وَفِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ زَبَالَةَ، وَهُوَ ضَعِيفٌ .

''سند منقطع ہے، نیز اس میں محمد بن الحسن بن زبالہ راوی ضعیف ہے۔''

(مَجمع الزّوائد : 218/9)

محمد بن الحسن بن زبالہ ''کذاب'' اور ''متروک'' ہے۔

❀ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ مرض الموت میں مبتلا تھیں۔ فرمایا:

يَا خَدِيجَةُ، إِذَا لَقِيتِ ضَرَائِرَكِ فَأَقْرِئِيْهِنَّ مِنِّي السَّلَامَ ، قَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَهَلْ تَزَوَّجْتَ قَبْلِي ، قَالَ : لَا ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ زَوَّجَنِي مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ وَآسِيَةَ بِنْتَ مَزَاحِمَ وَكَلْثَمَ أُخْتَ مُوسٰى .

''اے خدیجہ! جب آپ اپنی سوتنوں سے ملنا، تو میری طرف سے انہیں سلام کہنا۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے مجھ سے پہلے بھی کسی سے شادی کی تھی؟ فرمایا: نہیں، اللہ تعالیٰ نے (جنت میں) میرا نکاح مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون اور کلثم اختِ موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا ہے۔''

(تاریخ ابن عساکر : 118/70)

جھوٹی روایت ہے۔ ابوبکر سلمی بن عبداللہ ہذلی ''متروک الحدیث'' ہے۔

(تقریب التّہذیب لابن حَجَر : 8002)

❀ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هُمَا مِنْ أَزْوَاجِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

''یہ دونوں (مریم اور آسیہ) روزِ قیامت میری بیویاں ہوں گی۔''

(تاریخ ابن عساکر : 118/70)

سند سخت ''ضعیف'' ہے۔ محمد بن عمر بن صالح کلاعی ''منکر الحدیث'' ہے۔

۲۲ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''ایک صحابی نے ایک جنگل میں زمین کے اندر سے سورت ملک پڑھنے کی آواز سنی، حضور سے عرض کیا، فرمایا کہ وہاں کسی مؤمن کی قبر ہے، جو زندگی میں سورت ملک پڑھا کرتا تھا، اب بھی قبر میں پڑھ رہا ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص897)

یہ روایت سنن ترمذی (۲۸۹۰) میں آتی ہے۔ سند ضعیف اور غیر ثابت ہے۔ عمرو بن مالک نکری کی حدیث ابوالجوزاء سے غیر محفوظ ہوتی ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ : حَدَّثَ عَنْهُ عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ قَدْرَ عَشْرَةِ أَحَادِيثَ غَيْرِ مَحْفُوظَةٍ .

''ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابوالجوزاء سے عمرو بن مالک نے تقریباً دس غیر محفوظ احادیث بیان کی ہیں۔''

(تهذيب التّهذيب :336/1)

یہ جرح مفسر ہے، مذکورہ روایت بھی عمرو بن مالک نکری نے اپنے استاذ ابو الجوزاء سے بیان کی ہے، لہٰذا غیر محفوظ ہے۔

۲۳ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے سینے شریف سے بھنی ہوئی کلیجی کی خوشبو آتی تھی، آپ کا جگر خوف الٰہی میں بھن چکا تھا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص898)

بے ثبوت ہے۔

(۴۴) مفتی صاحب سورت ملک (۱۷) کے تحت لکھتے ہیں:

''یہاں ﴿مَنْ فِي السَّمَاءِ﴾ فرما کر یہ بتایا کہ بت ڈرنے کے لائق نہیں، ڈرو اس سے جس کی بادشاہی آسمانوں میں ہے، یہ مطلب نہیں کہ رب آسمان پر رہتا ہے، وہ تو جگہ سے پاک ہے۔'' (تفسیر نور العرفان، ص899)

یہ گمراہی پر مبنی عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جگہ سے پاک ہے، سارا جہاں جگہ ہے، تب ہی جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ کائنات میں داخل ہے، نہ خارج۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے متعلق خبر دیتے ہیں کہ وہ ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ عرش کا محتاج نہیں، وہ عرش پر ایسے مستوی ہے، جیسا کہ اس کے شایان شان ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے، کہ وہ آسمانوں پر ہے۔ جہم بن صفوان اور اس کی ذریت اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ جس کی بادشاہی آسمانوں میں ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہر جگہ ہے، پھر آسمانوں کی تخصیص کیوں؟

۞ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

''گزشتہ باب میں ہم نے بیان کیا کہ اللہ عرش پر مستوی ہے۔ اب وہ آیات میں آپ کو سناتا ہوں، جو منبر و محراب میں پڑھی جانے والی کتاب میں موجود ہیں۔ ان آیات میں یہ حقیقت وضاحت سے بیان ہوئی ہے کہ اللہ کی ذات آسمانوں سے اوپر ہے۔ جہمیہ معطلہ کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ سب زمینوں کے نیچے بھی ہے اور آسمانوں کے اوپر بھی۔ جہمیوں پر اللہ تعالیٰ کی مسلسل لعنتیں برسیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ﴾ (الملك : ١٦) (تم اس ذات سے بے خوف ہو

گئے ہو، جو آسمانوں کے اوپر ہے کہ کہیں وہ تمہیں زمین میں دھنسا نہ دے؟)،
نیز فرمایا:﴿أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا﴾
(الملك : ١٧) (یا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمانوں کے اوپر
ہے کہ کہیں وہ تم پر پتھروں کی بارش نہ کر دے؟) اصحابِ شعور! کیا آسمان
و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب کے خالق نے ان دو آیات
میں بتایا نہیں کہ وہ آسمانوں کے اوپر ہے۔خود اس کا فرمان ہے :﴿إِلَيْهِ
يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ (فاطر : ١٠) (اسی
کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل پاکیزہ کلمات کو بلند کرتا
ہے۔) اربابِ دانش! کیا اس آیت سے معلوم نہیں ہو جاتا کہ اللہ پاکیزہ
کلمات ادا کرنے والے سے اوپر ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ اوپر ہے، تو ہی اس کی
طرف یہ کلمات چڑھیں گے۔جہمیہ معطلہ کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ جس طرح
اللہ کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں، اسی طرح اس کی طرف نازل بھی
ہوتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے، نعوذ باللہ!) طالبِ علم حضرات! کیا
آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا جو اس نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:﴿يَا
عِيسٰى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ (آل عمران : ٥٥) (عیسیٰ! میں
آپ کو پورا پورا لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔) کیا یہ بات
حقیقت نہیں کہ کسی چیز کا چڑھنا صرف نیچے سے اوپر کی طرف ہی ہوسکتا ہے،
اوپر سے نیچے کی طرف چڑھا نہیں جا سکتا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :﴿بَلْ

رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ﴾ (النساء : ۱۵۸) (بلکہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا) یہ بات ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص زمین کے اوپر سے نیچے کی طرف جائے یا اونچی جگہ سے نیچی کی طرف جائے، تو کہہ دیا جائے کہ اسے اللہ نے اوپر اٹھا لیا ہے، کیونکہ عربی زبان جس کے ذریعے (قرآن کریم میں) ہمیں مخاطب کیا گیا ہے، اس میں اٹھنا ہمیشہ نیچے سے اوپر کی طرف ہوتا ہے۔ کیا آپ نے ہمارے خالق عزوجل کا یہ فرمان نہیں سنا: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ (الأنعام : ۱۸) (اور وہ اپنے بندوں کے اوپر ہے اور ان پر غالب ہے۔) کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں رہنے والے اپنے تمام بندوں، یعنی جنوں، انسانوں، آسمانوں میں رہنے والے فرشتوں سے اوپر اور بلند ہے۔ کیا آپ نے باری تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۞ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (النحل : ۵۰) (آسمان و زمین میں جو چوپائے اور فرشتے ہیں، سب اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ وہ اپنے اوپر سے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں، جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔) اللہ رب العزت نے ہمیں اس آیت میں بتایا ہے کہ وہ اپنے فرشتوں اور آسمان و زمین کے تمام جانداروں سے اوپر اور بلند ہے۔ اس نے ہمیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس کے فرشتے اپنے اس رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے۔ اس

کے برعکس معطلہ کا دعویٰ ہے کہ ان کا معبود فرشتوں سے نیچے ہے۔کیا آپ نے ہمارے خالق کا یہ فرمان نہیں سنا: ﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ﴾(السّجدة: ٥) (وہ آسمانوں سے زمین کی طرف معاملات کی تدبیر کرتا ہے، پھر وہ معاملہ اس کی طرف چڑھتا ہے۔) کیا لغت عرب جو معروف ہے اور جس میں قرآنِ کریم نازل ہوا ہے، اس سے یہ بات عیاں نہیں ہو جاتی کہ معاملات کی تدبیر اللہ آسمانوں سے زمین کی طرف کرتا ہے اور وہ آسمانوں کے اوپر ہے، زمین میں نہیں؟ عربوں کے ہاں عَرَجَ کا مادہ اوپر جانے اور چڑھنے کے معنی میں ہی ہوتا ہے۔کوئی چیز ہمیشہ نیچے سے اوپر کی طرف ہی چڑھتی ہے، اوپر سے نیچے کی طرف نہیں۔لغت عرب کو سمجھو، مغالطے نہ ڈالو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے: ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (الأعلى: ١) (آپ اپنے اعلیٰ رب کے نام کی تسبیح بیان کریں۔) لغتِ عرب میں کسی چیز کے اعلیٰ ہونے کا معنی ومفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ سب سے بلند اور اوپر ہو۔اللہ نے قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر اپنے آپ کو اَلْعَلِيُّ اور اَلْعَظِيمُ کہا ہے۔اربابِ ہوش! کیا اَلْعَلِيُّ وہی نہیں ہوتا، جو بلند ہو؟ اس سب کے باوجود جہمیہ معطلہ کہتے ہیں کہ اللہ اوپر بھی ہے اور نیچے بھی، درمیان میں بھی ہے اور ہر چیز کے ساتھ بھی، بلکہ زمین وآسمان میں ہر جگہ ہے، تمام جانداروں کے پیٹ میں بھی ہے (نعوذ باللہ!) حالاں کہ اگر وہ قرآنِ کریم کی ایک بھی آیت پر غور کر لیتے اور اللہ اس کو سمجھنے کی توفیق ان کو مرحمت فرماتا تو

انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ پرلے درجے کے جاہل ہیں اور اپنی زبان سے نکلنے والی باتوں کو بھی نہیں سمجھ پاتے، ان کے سامنے اپنی جہالت اور اپنے اقوال کی غلطی عیاں ہو جاتی۔ اللہ سے جب موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے مطالبہ کیا کہ وہ اسے دیکھنا چاہتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَنْ تَرَانِي وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ (الأعراف : ١٤٣) (آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے، ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا، تو آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔ جب ان کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی، تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔) اصحابِ عقل و شعور! کیا یہ بات معلوم نہیں کہ اگر معطلہ کے کہنے کے مطابق اللہ ہر جگہ ہوتا اور ہر بشر اور ہر مخلوق کے ساتھ ہوتا تو اس کی تجلی ہر چیز پر اور زمین کی تمام مخلوقات پر پڑتی۔ اگر اللہ تعالیٰ ساری زمین یعنی میدانوں، جنگلات، پہاڑوں، براعظموں، ریگستانوں، شہروں، بستیوں، آبادیوں، ویرانوں، تمام نباتات اور تمام عمارتوں پر تجلی کرتا، تو سب کا سب اسی طرح ریزہ ریزہ ہو جاتا، جس طرح وہ پہاڑ (کوہِ طور) ریزہ ریزہ ہوا تھا، جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی ڈالی تھی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ (الأعراف : ١٤٣) (جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی، تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا)۔'' (کتاب التّوحید، ص 254-258)

❀ پھر فیصلہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

مَنْ لَّمْ يُقِرَّ بِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى عَرْشِهٖ، قَدِ اسْتَوٰى فَوْقَ سَبْعِ سَمَاوَاتِهٖ، فَهُوَ كَافِرٌ بِرَبِّهٖ.

''جو یہ اقرار نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر سات آسمانوں کے اوپر مستوی ہے، وہ اپنے ربّ کا کافر ہے۔''

(معرفة علوم الحديث للحاكم، ص 84، وسندهٗ صحيحٌ)

۲۵ مفتی صاحب سورت قلم (۱) کے تحت لکھتے ہیں:

''صوفیا فرماتے ہیں کہ قلم حضور ﷺ کی زبان مبارک ہے، جو کُن کی کنجی ہے۔''

(تفسیر نورالعرفان، ص900)

یہ صوفیا کا کفریہ کلام ہے۔ قرآن کریم کی تحریف ہے۔ یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ کے بولنے سے تکوینی اُمور وجود میں آتے ہیں، واضح شرک ہے۔

۲۶ مفتی صاحب سورت قلم (۵) کے تحت لکھتے ہیں:

''جو کچھ غیب کی خبریں آپ نے دی ہیں، ان میں سے بہت کفار بھی دیکھ لیں گے اور اے محبوب! آپ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ حضور تو سب کچھ آج بھی دیکھ رہے ہیں، مگر یہاں ظہور کا دیکھنا مراد ہے۔''

(تفسیر نورالعرفان، ص901)

دراصل یہ عقیدہ عیسائیوں سے مستعار ہے۔ وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس طرح کے دعاوی کرتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ وہی کچھ دیکھتے تھے، جو اللہ تعالیٰ آپ کو دکھا دیتے تھے۔ وہی خبر دیتے تھے، جو اللہ تعالیٰ آپ کو وحی کر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ دیکھنا یا خبر دینا آپ کے اختیار میں نہ تھا۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا .

''جہنم کے دو گروہوں کو میں نے نہیں دیکھا۔''

(صحیح مسلم : 2128)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ، فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَّا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ، قَالَ : فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، مَا يَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ .

''میں حطیم کعبہ میں کھڑا تھا اور قریش مجھ سے واقعہ معراج کے بارے میں پوچھ رہے تھے، انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ نشانیاں پوچھیں، جن کو میں یاد نہ رکھ سکا، جس کی وجہ سے میں اتنا پریشان ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا پریشان نہ ہوا تھا، تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا، وہ مجھ سے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھ رہے تھے اور میں ان کو دیکھ کر بتا تا جا رہا تھا۔''

(صحیح مسلم : 172)

اگر نبی کریم ﷺ چیزوں کے وجود سے پہلے بھی انہیں دیکھ رہے ہوتے، تو بیت المقدس کے ستون، جنہیں دیکھا بھی تھا، مگر یاد نہیں رکھ سکے، کے متعلق بتانے میں پریشانی نہ ہوتی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دکھا دیے، تو آپ نے بتا دیا۔ یہ ستون تو وجود میں آ چکے تھے۔ کتنی ہی موقعوں پر نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: أَيْنَ أَنْتَ؟ آپ کہاں تھے؟

۲۷۔ مفتی صاحب سورت قلم (۱۳) کے تحت لکھتے ہیں:

''اس آیت کے نزول پر ولید اپنی ماں کے پاس پہنچا اور بولا کہ حضور ﷺ نے میرے دس عیوب بیان فرمائے، نو کو تو میں اپنے اندر پاتا ہوں، دسویں کی تجھے خبر ہے، سچ بتا، میں حرامی ہوں یا حلالی، سچ کہنا، ورنہ تیری گردن مار دوں گا، تب اس کی ماں بولی کہ تیرا باپ نامرد تھا، مجھے اندیشہ ہوا کہ اس کے بعد اس کا مال غیر لے جائیں گے، تب میں نے فلاں چرواہے کو بلا لیا، تو اس سے پیدا ہوا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص901)

بے ثبوت قصہ ہے۔

۲۸۔ مفتی صاحب سورت قلم (۴۲) کے تحت لکھتے ہیں:

''یعنی ایسی شدت ہوگی کہ گھبراہٹ میں لوگوں کی پنڈلیاں کھل جائیں گی یا رب تعالیٰ اپنی ساقِ قدرت لوگوں پر ظاہر فرما دے گا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص903)

آیت کی دونوں تاویلیں درست نہیں۔ کبار ائمہ اہل سنت اس کا یہ معنی بیان نہیں کرتے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی حقیقی ساق (پنڈلی) مراد ہے، جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ اسے ساق قدرت کہنا بھی درست نہیں۔

❁ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

...... فَيَكْشِفُ عَنْ سَاقِهِ .

''......تو وہ (اللہ تعالیٰ) اپنی پنڈلی کھولے گا۔''

(صحيح البخاري : 7439، صحيح مسلم : 183)